نظرات

حالیہ انتخابات کے نتائج پر ایک نظر ڈالنے سے یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ قوم نے بحیثیت مجموعی فیصلہ کیا ہے۔ شن دماغی اور بیدار مغزی کے ساتھ کسی سوچی سمجھی اور غور کی ہوئی اسکیم یا منصوبہ کے ماتحت نہیں کیا اور اس فیصلہ لق ذہن و دماغ یا کسی نصب العین اور آئیڈیالوجی سے اتنا نہیں ہے جتنا کہ جذبات اور وقتی اشتعال و ہیجان سے ہے۔ نے محسوس کیا کہ ملک کی آزادی کو تیس برس گذر جانے اور حکومت کے بلند بانگ دعووں کے باوجود زندگی مشکلات روز بروز بڑھتی جارہی ہیں۔ ملک میں رشوت ستانی اور چور بازاری کا بازار گرم اور ضروری اشیاء کی نیں ناقابل برداشت حد تک روز افزوں ہیں۔ امن وامان اور قانون کا احترام مفقود، غذائی اشیاء میں ملاوٹ ٹیکسوں کی بھرمار، فسادات آئے دن کا قضیہ اور وزراء اور عمال حکومت کے دامن داغدار ہیں، زندگی لیکن نے اور شرافت اور ایمانداری کے ساتھ زندگی بسر کرنا امر محال ہوگیا ہے ایک طرف حالات یہ ہیں اور دوسری نب ان تیس برسوں میں حکومت نے ملک سے جو وعدے کئے اور جن چیزوں کا بار بار یقین دلایا ہے ان ب کی فہرست تیار کر لیجئے اور پھر دیکھئے کہ اس فہرست میں کتنے وعدے اور کتنی یقین دہانیاں ہیں جو واقعی پندہ تکمیل ہو سکی ہیں تو نتیجہ حد درجہ عبرت انگیز اور افسوسناک نکلے گا۔ یہی حال امور خارجہ کا ہے جو گرہ جہاں سے لگی ہوئی ہے اور جو پیچ جہاں پڑا ہے پڑا ہوا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو دوست ہیں ان کی دوستی کمزور ہی ہے اور جو مخالف ہیں ان کی مخالفت شدید تر ہوتی جارہی ہے۔ اپنی نااہلیت کو چھپانے اور پردہ ڈالنے کے لئے ملک میں قحط سالی کا پروپیگنڈہ جس زور وشور کے ساتھ کیا گیا اور اس پروپیگنڈہ کی لاج نے کے لئے امریکہ سے خصوصاً اور بعض اور ملکوں سے عموماً غلہ کی جو بھیک مانگی گئی اس نے بیرونی دنیا ، اس ملک کا رہا سہا وقار بھی ختم کر دیا ہے غرض نہ گھر میں چین اور سکھ اور نہ باہر عزت اور وقار۔

بہرحال ان سب چیزوں کا شدید احساس تھا جس نے عوام کو سخت مشتعل اور غضبناک کر دیا اور بوکھلاہٹ میں انھوں نے فیصلہ کر لیا کہ انھیں بہرحال کانگریس کو مسند اقتدار سے اتار دینا ہے لیکن انکی

متبادل صورت کیا ہوگی؟ اس پر انھوں نے ذرا غور نہیں کیا اور شاید وہ کر بھی نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ ملک میں آل انڈیا حیثیت کی کوئی ایک جماعت اور پارٹی بھی ایسی نہیں تھی جس کی گذشتہ تاریخ اتنی شاندار اور اس کی آئیڈیالوجی ایسی عظیم ہو کہ وہ کانگریس کا بدل بن سکے۔ اس بنا پر وقتی اور ہنگامی طور پر جس شخص کو جس امیدوار یا جس پارٹی کی طرف از خود یا کسی کے کہنے سننے سے میلان ہوا اس نے اس کو ووٹ دیا اور پورے ملک میں یہی فضا قائم ہوگئی اور اس کا انجام وہی ہوا جو ہر اس شخص کے منفی عمل کا ہوتا ہے جو محض کسی کے ساتھ شدید نفرت پر مبنی ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ضرور ہوا کہ کانگریس کو اپنے کئے کی سزا مل گئی اور اس طرح عوام کا مقصد حاصل ہوگیا۔ لیکن اب سوال یہ ہے کہ یہ جو کچھ ہوا ہے کیا ملک کے مسائل و معاملات کا صحیح حل اور اس کی اہم اور بنیادی ضرورتوں کا واقعی ذریعۂ تکمیل ہے؟ اگر ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ سوچا جائے تو اس سوال کا جواب بجز اس کے کچھ اور نہیں ہو سکتا کہ انتخابات کا نتیجہ صرف یہی نہیں کہ حل نہیں ہے۔ بلکہ ملک کے مستقبل اور اس کی سالمیت کے لئے حد درجہ خطرناک اور تشویش انگیز ہے۔

اس وقت پوزیشن یہ ہے کہ اگرچہ مرکز میں کانگریس کو اکثریت حاصل ہے لیکن یہ اکثریت ایسی کمزور ہے کہ ہریانا اور اتر پردیش کی سی صورتِ حال یہاں بھی پیدا ہوئی تو کسی وقت بھی ختم ہو سکتی ہے، رہیں ریاستیں تو ان کی شکل یہ ہے کہ ایک ریاست میں کمیونسٹ گورنمنٹ ہے اور اسی کے پڑوس میں ڈی۔ ایم کے حکومت باقی ریاستوں میں یا متحدہ محاذ کی گورنمنٹ ہے یا کانگریس کی۔ لیکن یہ حکومتیں صرف چند ووٹوں کے سہارے قائم ہیں جو کسی وقت بھی ادھر سے اُدھر ہو سکتی ہیں۔ اس بنا پر استحکام اور مضبوطی کہیں بھی نہیں ہے علاوہ ازیں مخالف پارٹیوں نے متحدہ محاذ کے نام سے جو ... کیا ہے جو کنبہ جوڑا ہے اس میں کب تک اتحاد قائم رہ سکتا ہے؟ کیا ایک لمحہ کے لئے بھی باور کیا جا سکتا ہے کہ کمیونسٹ پارٹی (دائیں اور بائیں دونوں) اور جن سنگھ سوتنتر اور جنتا کانگریس اور راشٹریہ سیوک سنگھ جن کے افکار و نظریات میں مشرق و مغرب کا فاصلہ ہے۔ یہ سب اور پھر ان کے ساتھ بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والے آزاد ممبر بھی کبھی ایک ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں مگر آج یہی تو صرف کانگریس ... میں اور جو اتحاد صرف کسی کی دشمنی اور نفرت پر مبنی ہوتا ہے اس کی حیثیت

ریت کی دیوار سے زیادہ نہیں ہوتی! پس جب صورت حال یہ ہے تو مرکز میں اور ریاستوں میں کشمکش کہاں تک نہیں ہوگی؟ اور اگر کشمکش ہوئی تو اس کا انجام کیا ہوگا؟ بغرض کہ جس پہلو سے دیکھئے مستقبل بڑا تاریک اور بھیانک نظر آتا ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کل کیا نہیں ہو جائیگا۔

اب سوال یہ ہے کہ ملک کو اس گرداب بلا سے کیونکر نکالا جا سکتا ہے؟ اس سے کسی کو انکار نہیں ہوگا کہ صرف کانگریس ہی ایک ایسی پارٹی ہے جس نے عظیم الشان قربانیاں دیکر اور عوام میں بیداری پیدا کر کے ملک کو آزاد کرایا ہے۔ پھر آزادی کے بعد ایک دستور جو ایک لامذہبی حکومت کے لئے سب سے بہتر ہو سکتا ہے اور جو کانگریس آئیڈیالوجی کا ترجمان ہے ملک کو وہ بھی کانگریس کی ہی دین ہے لیکن ان سب باتوں کے باوجود کانگریس کو کھلے دل کے ساتھ اعتراف کرنا چاہئے کہ وہ دستور کو اس کی صحیح اسپرٹ کے ساتھ عملی شکل دینے میں ناکام رہی ہے اور موجودہ صورت حال اسی کا طبعی نتیجہ ہے۔ اسی بنا پر ملک کو موجودہ کرائسس سے نکالنے کی سب سے بڑی ذمہ داری بھی اسی کے سر عائد ہوتی ہے اور اس کی صورت بجز اس کے کوئی اور نہیں ہے کہ کانگریس اپنی گذشتہ بداعمالیوں کے کفارہ کے طور پر ہوسِ اقتدار طلبی سے باز آکر حکومت سازی سے باز آ جائے اور غیر کانگریسی جماعتوں کو ملک کا نظم و نسق چلانے کا موقع دے اور خود اسی خلوص اور بے نفسی کے ساتھ پبلک میں کام کرے جس طرح وہ آزادی سے قبل کرتی تھی۔ اگر کانگریس نے ایسا کیا تو اس کا نتیجہ ایک ہی ہوگا۔ اور وہ یہ کہ یا تو غیر کانگریسی حکومتیں ملک کی حالت کو بہتر اور اسے خوشحال و مطمئن کرنے میں کامیاب ہونگی یا ناکام۔ اگر پہلی صورت ہے تو چشم ما روشن دل ما شاد! آخر ملک تو اس لئے آزاد نہیں ہوا تھا کہ وہ ہمیشہ کانگریس راج میں رہیگا اور اگر صورت دوسری ہوئی یعنی حکومت سے کانگریس کے سبکدوش ہونیکے بعد متحدہ محاذ میں شامل پارٹیوں میں آپس میں پھوٹ پڑ گئی جس کا قرینہ غالب ہے اور اس کی وجہ سے ملک کی حالت بدتر ہوگئی تو کانگریس کو پھر موقع ہوگا کہ وہ اپنا چھنا ہوا اقتدار پھر واپس لے لے۔

ہم جانتے ہیں کہ آج کی دنیا میں کون اس کو قبول کریگا لیکن ہمیں یقین ہے کہ پنڈت جی آنجہانی اور مہاتما گاندھی جی زندہ ہوتے تو بے شبہ کانگریس کو یہی مشورہ دیتے کیونکہ ان کی زندگی خود احتسابِ نفس اور اعترافِ گناہ کرنے کی اخلاقی جرأت کی آئینہ دار تھی اور سچائی ان کے نزدیک بھلائی کا [illegible]۔